انوار الحق سہمی ایم اے، ایل ایل بی، ایم ای ڈی

ڈاکٹر سبزواری کے جواب میں

کیا اسلامی سوشلزم کی بنیاد قرآن کا فلسفۂ حیات ہے؟

قسط ثانی

ڈاکٹر سبزواری نے اس سے آگے "اسلامی سوشلزم" کے حق میں ایک دلچسپ دلیل دی ہے۔ یہ کہنے کے بعد کہ "اجتماعیت اسلام کی روح ہے۔" انہوں نے نماز اور حج سے متعلق بیان کیا ہے کہ یہ اجتماعی ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ جب معاد یعنی اُخروی معاملات میں شانہ بشانہ کام کرتے ہیں تو معاش یعنی مادی ضرورتوں کی تحصیل میں ایک دوسرے سے کٹ جانے کی کوئی وجہ نہیں۔ ان لوگوں کی ایک بنیادی غلطی یہی تو ہے کہ اسلام کو سراسر اجتماعیت کا علمبردار سمجھا رہا ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام نہ تو کلی اجتماعیت ہے اور نہ یکسر انفرادیت، جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس میں اقدارِ حیات کہیں بھی انتہائی صورت میں نہیں پائی جاتیں جس سے زندگی کی دوسری کوئی قدر سکڑ کے بے جان ہو کر رہ جائے، عبادات، اخلاق، سیاست، قانون، معیشت، غرض ہر شعبہ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کامل وحدت کا ایک حسین امتزاج اور ایک سنہری وسط پایا جاتا ہے۔

وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس – " اور اس طور پر ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا تاکہ تم نوعِ انسانی پر گواہ بن کر رہو۔" (البقرہ، ۱۴۳)

مقام وسط ہی بشکل نکتہ عدل ہوتا ہے۔ اسلام کا یہی ایک وصف اتنا درخشندہ اور حیات انگیز ہے کہ اس کی توضیح اور اس کے مضمرات پر جتنا غور و فکر کیا جاتے۔ یہ وصف اتنا ہی تابندہ تر نظر آتا ہے۔ مختلف اور اکثر متضاد اقدار حیات کو کامیابی سے سمونا تو ایک طرف رہا، انسان بیچارے کے تو بس میں یہ بھی نہیں کہ ان اقدار کو الگ الگ سے کہیں ان کا نکتہ عدل متعین کر سکے۔ یونان کے فلاسفہ سے لیکر آج تک مفکرین "سنہری وسط" (GOLDEN MEAN) کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں — خالقِ کائنات نے اپنی ربوبیت کی کمال رحمت سے انسان کی رہنمائی اپنے آخری رسولؐ کے ذریعہ اس نظامِ زندگی کی طرف کی ہے جس میں تمام اقدار حیات فرداً فرداً بھی پوری نشوونما پاتی ہیں اور مجموعی ترکیب میں بھی لاثانی توازن و اعتدال کے ساتھ سمو دی گئی ہیں۔

آخر میں ڈاکٹر سبزواری نے تان اس نکتے پر توڑی ہے کہ "صحیح بات یہ ہے، جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ روزی میں سب برابر کے حقدار ہیں۔" اس کے ثبوت میں موصوف نے قرآن کی ایک آیت کا ترجمہ پیش کیا ہے، اور فنِ تحقیق کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے سورہ اور رکوع یا آیت کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ بہرحال پہلے موصوف کا نقل کردہ ترجمہ سن لیجئے:

> "اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں برتری دی ہے، جن کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی زیردستوں کو نہیں لوٹاتے کہ سب اس میں برابر کے حقدار ہیں۔"

اس کے بعد ڈاکٹر موصوف تشریح کرتے ہیں کہ: "روزی میں برتری خاص اسباب کی پیداوار ہے، عدل کا تقاضا ہے کہ مساوات ہو، اصلاً سب برابر اور روزی میں برابر کے حقدار ہیں۔ لفظ ردّ (لوٹانے) سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے کے حق پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا ہے۔ غاصب کا فرض ہے کہ حق کو حقدار کی طرف لوٹائے۔"

اب ذرا متعلقہ آیت کا متن سنیئے:

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواء ط افبنعمۃ اللہ یجحدون

یہ آیت سورۃ النحل کے دسویں رکوع اور چودھویں پارے کے سولہویں رکوع کی پہلی آیت ہے

اس کا سیاق و سباق (CONTEXT) دیکھئے تو ادنیٰ ترین شک و شبہ کے بغیر اور پوری وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کا مضمون ملتا ہے۔ یہ ایک مسلسل بیان کی جڑی ہوئی کڑی ہے، اور سارے بیان میں پے در پے مثالوں کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے کہ کس طرح خدا اپنی ذات، و صفات میں یکتا و بے ہمتا ہے۔ یہ آیت ان کئی مثالوں میں سے ایک تمثیل پیش کرتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملہ میں فضیلت و برتری بخشی ہے، لیکن وہ ایسا نہیں کرتے کہ اپنی برتر روزی کو اپنے زیر دستوں میں بانٹ کر انہیں برابر سرابر کر ڈالیں۔ جب حالت یہ ہے تو پھر یہ کفرانِ نعمت کیوں کرتے ہیں اور کیوں اللہ کے ساتھ کسی کو سہیم و شریک ٹھہراتے ہیں، ان کی عقل بھی عجیب ہے کہ جب یہ واقعہ ہے کہ یہ خدا کے دیئے ہوئے رزق میں خود اپنے کسی غلام کو شریک کر کے اسے اپنا ہم سطح بنانے کو تیار نہیں تو یہ کیا تماشا ہے کہ خدا کے اختیار و اقتدار کے بارے میں اس وہم میں مبتلا ہو بیٹھے ہیں کہ اس میں اس کا کوئی نہ کوئی غلام حصہ دار ہے؟

قرآن کے فلسفۂ حیات کا مرکز و محور باری تعالیٰ کی توحید ہے، خالص نتھری ہوئی اور بے مثال توحید، سورج سے زیادہ روشن اس حقیقت کو انسان کی کم نگاہی اور کور ذوقی نے تہذیب و تمدن کے ارتقاء کی ہر منزل پر سمجھنے میں خطرناک ٹھوکریں کھائیں ہیں، اور اسی ایک عظیم مغالطے سے وہ تباہ کن حادثوں کا شکار ہوتا رہا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے جگہ جگہ اور مختلف پیرایوں میں اس حقیقت کبریٰ کی نشاندہی کی ہے اور اس انداز سے کی ہے کہ یوں لگتا ہے، گویا انگلی پکڑ پکڑ کر گڑھوں سے بچایا جا رہا ہے، توحید کو دل و دماغ میں اتار دینے کی خاطر خوشنما اور رنگا رنگ مثالوں کی مہکتی کیاریاں جگہ جگہ ملتی ہیں، ان مثالوں میں وہ مثال جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ محکمی اور محبوبیت کی ایک خاص شان رکھتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اسے سورہ الروم کی آیت ۲۸ میں ذرا سے مختلف انداز میں دہرایا گیا ہے۔

سورہ النحل کی مذکورہ آیت کا یہی مطلب و مفہوم اس کے سیاق و سباق سے نکلتا ہے۔ اور یہی مطلب و مفہوم جمہور فقہا اور مفسرین نے پیش کیا بھی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "بیان القرآن" (مطبوعہ تاج کمپنی) میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے "تفسیر عثمانی" (مطبوعہ تاج کمپنی) میں مولانا عبدالماجد دریا بادی نے "تفسیر ماجدی" (مطبوعہ تاج کمپنی) میں یہی مطلب و مفہوم مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ میں بالترتیب ان کی بیان کردہ تشریح پیش کرتا ہوں۔

بیان القرآن:۔ "اور (اثبات توحید کے ساتھ شرک کا قبح ایک باہمی معاملہ کے ضمن میں

سنو کہ) اللہ تعالیٰ نے تم میں بعض کو بعضوں پر رزق (کے بارہ) میں فضیلت دی ہے (مثلاً کسی کو غنی اور غلاموں کا مالک بنایا کہ ان کے ہاتھ سے ان غلاموں کو بھی رزق پہنچتا ہے اور کسی کو غلام بنا دیا کہ اس کو مالک ہی کے ہاتھ سے رزق پہنچتا ہے اور کسی کو نہ ایسا غنی بنایا کہ دوسرے غلاموں کو دے نہ غلام بنایا کہ اس کو کسی مالک کے ہاتھ سے پہنچے) سو جن لوگوں کو (رزق میں خاص) فضیلت دی گئی ہے۔ (کہ ان کے پاس مال بھی ہے اور غلام بھی ہیں۔) وہ (لوگ) اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ (مالک و مملوک) سب اس میں برابر ہو جاویں (کیونکہ اگر غلام رکھ کر دیا تو مال ان کی ملک ہی نہ ہوگا، بلکہ بدستور یہی مالک رہیں گے اور اگر آزاد کر کے دیا تو مساوات ممکن ہے، مگر وہ غلام نہ رہیں گے، پس غلام اور مساوات ممکن نہیں، اسی طرح یہ بت وغیرہ جب باعتراف مشرکین خدا تعالیٰ کے مملوک ہیں، تو باوجود مملوک ہونے کے معبودیت میں خدا کے مماثل کیسے ہو جاویں گے۔ اس میں شرک کی غایت تقبیح ہے کہ جب تمہارے غلام تمہارے شریک رزق نہیں ہو سکتے تو اللہ تعالیٰ کے غلام اس کے شریک الوہیت کیسے ہو سکتے ہیں) کیا (یہ مضامین سنکر) پھر بھی (خدائے تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں جس سے عقلاً یہ لازم آتا ہے کہ) خدائے تعالیٰ کی نعمت کا (یعنی اس بات کا کہ خدا نے نعمت دی ہے۔) انکار کرتے ہیں۔

تفسیر عثمانی :- "یعنی خدا کی دی ہوئی روزی اور بخشش سب کے لئے برابر نہیں بلحاظ تفاوتِ استعداد و احوال کے اس نے اپنی حکمت بالغہ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ کسی کو مالدار اور با اقتدار بنایا جس کے ہاتھ تلے بہت سے غلام اور نوکر چاکر ہیں، جن کو اسی کے ذریعہ سے روزی پہنچتی ہے۔ ایک وہ غلام ہیں جو بذاتِ خود ایک پیسہ یا ادنیٰ اختیار کے مالک نہیں۔ ہر وقت آقا کے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں، پس کیا دنیا میں کوئی آقا گوارا کرے گا کہ غلام یا نوکر چاکر جو بہرحال اسی جیسے انسان ہیں بدستور غلامی کی حالت میں رہتے ہوئے اس کی دولت، عزت، بیوی وغیرہ میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ غلام کا حکم تو شرعاً یہ ہے کہ بحالتِ غلامی کسی چیز کا مالک بنایا جائے تب بھی نہیں بنتا۔ آقا ہی مالک رہتا ہے۔ اور فرض کرو آقا غلامی سے آزاد کر کے اپنی دولت وغیرہ میں برابر کا حصہ دار بنا لے تو مساوات بیشک ہو جائے گی لیکن اس وقت غلام غلام نہ رہا۔ بہرکیف غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتی۔ پھر غضب ہے کہ خالق و مخلوق کو معبودیت وغیرہ میں برابر کر دیا جائے۔ اور ان چیزوں کو جنہیں خدا کی مملوک سمجھنے کا اقرار خود مشرکین بھی کرتے تھے۔ (اِلّا شریکاً ھو لک

تملکہ وما ملکت) مالکِ حقیقی کا شریک و سہیم ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ کیا منعم حقیقی کی نعمتوں کا یہی شکریہ ہے کہ جس بات کے قبول کرنے سے خوفناک بھوں چڑھاتے ہو، اس سے زیادہ قبیح و شنیع صورت اس کے لئے تجویز کی جائے۔ نیز جس طرح روزی وغیرہ میں حق تعالیٰ نے بعض کو بعض پہ فضیلت دی سب کو ایک درجہ میں نہیں رکھا۔ اگر علم و عرفان اور کمالات نبوت میں کسی ہستی کو دوسروں سے فائق کر دیا تو خدا کی اس نعمت سے انکار کرنے کی بجز ہٹ دھرمی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

تفسیر ماجدی :- "آیت سے اس حقیقت پر پوری طرح روشنی پڑ گئی کہ مال و دولت میں عدم مساوات فطری و طبعی ہے اور تقسیم دولت میں مساوات کا دعویٰ بجائے خود بے بنیاد اور خلافِ فطرت ہے۔ فقہا اور فقہائے مفسرین نے آیت سے مالک اور غلام کے درمیان نفی مساوات صراحت کے ساتھ نکالی ہے۔ قال ابوبکر وقد تضمنت الآیۃ انتفاء المساواۃ بین المولیٰ وبین عبدہ فی الملک (جصاص)۔ (بلکہ ایسی تقسیم تو فطرت بشری پر ایک بار ہے۔) آیت جڑ کاٹ رہی ہے۔ اہل باطل کے اس نظام معاشی کی جس کا پرانا نام مزدکیت اور جدید نام سوشلزم یا (انتہائی صورتوں میں) کمیونزم ہے شرک پر اصرار کئے جانا عین نعمت الٰہی سے انکار کرنا ہے۔"

ڈاکٹر سبزواری نے پہلے آیت مذکورہ کے ترجمے میں چابکدستی دکھائی اور خود اسی ایک آیت کے الگ سیاق و سباق کے خلاف (حقدار ہو جائیں "کی بجائے) "حقدار ہیں" کے الفاظ میں ترجمہ پیش کر کے مطالب کا رخ اپنی طرف موڑا اور پھر اسی ٹیکنیک کو بڑے پیمانے پر استعمال کر کے پوری آیت کو اس کے متصل سیاق و سباق سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ اس کارروائی کے بعد آیت کی اس غرض مند تشریح کے لئے راستہ بالکل صاف ہو گیا جو انہیں درکار تھی۔ اس طرح انہیں یہ ظاہر کرنے کا موقع مل سکا کہ جن کے پاس دوسروں کی نسبت زیادہ رزق ہے وہ دراصل غاصب ہیں اور "غاصب کا فرض ہے کہ حق کو حقدار کی طرف لوٹا دے۔" یہاں پہ موصوف ذرا حالات کی رعایت کر گئے ہیں۔ کوئی شخص یہ امید نہیں کر سکتا کہ ایک چور، ایک ڈاکو، ایک غاصب اپنے احساس "فرض" کے تحت دوسروں کا مال ان کے حوالے کر دے گا۔ پھر ایسا کیوں ہے کہ بات "غاصب کا فرض" کہہ کر چھوڑ دی گئی ہے۔؟ ڈاکٹر سبزواری اور حقیقتوں کو نظر انداز کر سکتے ہیں، لیکن اس حقیقت سے آنکھیں کیسے پھیر سکیں گے کہ ابھی اس ملک میں سوشلزم کے لئے فضا اتنی سازگار نہیں ہوئی کہ روٹی کے نام پہ کم رزق والوں کو زیادہ رزق والوں کے خلاف بھڑکا کر طبقاتی تصادم برپا کر دیا جائے، اسلامی اقدار و اخلاق کو تباہ کر دیا جائے اور مارکس کی بے دین اور خونیں مادیت کو ملک پہ جبر و تشدد کے ساتھ مسلط کر دیا جائے۔

ابھی وقت لگی لپٹی رکھنے کا ہے۔

بہرحال بات کیا تھی اور ڈاکٹر سبزواری نے اُسے کہاں پہنچا دیا! لیکن یہ کوئی محض اتفاق بھی نہیں۔ وہ اور ان کی طرزِ فکر کا گروہ بھی عریاں نہیں تو نیم عریاں سوشلزم کے لئے اور کبھی نقاب پوش سوشلزم کے اثر و نفوذ کو بڑھانے پھیلانے کے لئے ہر جتن کر رہا ہے۔ علمی، ادبی اور سیاسی، ہر محاذ پر مختلف داؤں کے ساتھ کام کیا جا رہا ہے۔ "اسلامی سوشلزم" کا جھلملاتا پردہ بھی اسی غرض سے بنایا گیا ہے کہ اس پردے کے پیچھے مناسب حد تک زمین ہموار اور قوت فراہم کر لی جائے تو پھر نقاب نوچ کر نکلیں گے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد پر "رجعت پسندی" کا لیبل چسپاں کر کے اُسے فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ یہ لوگ چونکہ یہ یقین سے کے چلے ہیں کہ سوشلزم انسانی دکھوں کے لئے اکسیر ہے، لہٰذا ان میں سے بعض تو سوشلزم کو ابھی سے کھلم کھلا سینے سے لگا لیتے ہیں، لیکن بعض فی الحال نقاب پوشی کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اس دوسری طرز میں کچھ لوگ وہ ہیں جو اسلام پر احسان کرنے کی فکر میں ہیں کہ سوشلزم کو درآمد کر کے ان دونوں کو آپس میں جوڑ دیا جائے تاکہ بقول ان کے اسلام میں دورِ جدید کا ساتھ دینے کی جو صلاحیت نہیں تھی، وہ پیدا کر دی جائے۔ پھر کچھ لوگ غلامانہ ذہنیت کے ساتھ سوشلزم کی ظاہری کامرانیوں کو دیکھتے ہوئے خود اسلام کے اندر سے سوشلزم ڈھونڈھ نکالنے کے لئے تاریخ سے صرفِ نظر کرنے اور قرآن وحدیث میں طفلانہ تاویل اور کھلی تحریف کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ خدا جانے اسلام کو سبوتاژ کرنے کا یہ کھیل کب تک کھیلا جاتا رہے گا۔ اس آسمان کے نیچے صدیوں سے نوعِ انسانی کو جاہلی اقتدار اور بے دین دینوں نے ستا رکھا ہے۔ آخر یہ لوگ کیوں انسان اور اسکی ارتقائی تاریخ سے اتنا سا انصاف برتنے کے بھی روادار نہیں ہیں کہ دنیا کی سٹیج کے کم ازکم اس حصے پر خالص اسلامی نظام کے نفاذ اور اسکی لاثانی برکتوں کے ظہور میں مزاحم نہ ہوں جو نام و وجود کے لحاظ سے اکیس برس پہلے اس مقصد کے لئے مختص ہو گیا تھا؟ حق سے بغض وعناد کی یہ بڑی ہی خطرناک قسم ہے کہ انسان نہ صرف خود سیدھی راہ پر چلنے سے انکار کر دے بلکہ دوسروں کے اس راہ تک پہنچنے میں رکاوٹ بن کر کھڑا ہو جائے، اور پھر نوبت یہاں تک پہنچے کہ صراطِ مستقیم کو ہی لوگوں کے سامنے ٹیڑھا کر دکھانے پر تل جائے۔ قرآن نے اس طرزِ عمل کی سخت مذمت کی ہے۔

اس سلسلے میں یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات کو ابھارنے کی مہم میں مسلم معاشرے میں جہاں اور جب بھی اٹھتی ہیں ان میں اب سوشلزم کا ہاتھ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ سفید سامراج اب یہ ہتھکنڈے چھوڑ بیٹھا ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ سفید سامراج

جو ایک عالمی نظریئے کا منظم فلسفہ اپنے پیچھے بہر حال نہیں رکھتا، زیادہ تر اپنی سیاسی اغراض ہی کے لئے ان مہموں کو ہوا دے سکتا ہے۔ اس کے برعکس سرخ سامراج کو یہ کام دہرے مقصد کے لئے کرنا پڑتا ہے۔ اوّل سرخ سامراج کا براہِ راست سیاسی مفاد، دوم عالمی نظریات کی حیثیت سے اسلام اور سوشلزم میں رقابت کے پیشِ نظر۔ سوشلسٹ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصبات کا ہر وار اسلام کی نظریاتی بنیادوں پر اور امتِ مسلمہ کی قوتِ مدافعت پر وار ہے۔ آپ اگر گرد و پیش پر ذرا سی تحقیقی نگاہ ڈالیں تو آپ اس دلچسپ حقیقت کو فوراً بھانپ لیں گے کہ نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات کو پھیلانے میں سوشلسٹ ہی پیش پیش ہیں اور ان گھٹیا تعصباتی تحریکوں کی سربراہی انہی لوگوں کو حاصل ہے۔ قیامِ پاکستان سے متصلاً قبل کے دنوں کا ایک انگریزی کتابچہ میری نظر سے گزرا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ فلاں علاقہ ہمیشہ خود مختار رہا ہے، اور اب بھی اُسے خود مختار رہنا چاہئے اور یہ کہ دراصل مشترک مفاد تو سب مزدوروں کا ہے نہ کہ سب مسلمانوں کا۔ پھر یہ تو تازہ واقعہ ہے کہ پچھلے دو تین ماہ میں کوچہ و بازار میں یہ کہتے دیکھے گئے اور یہ نعرے سنے گئے کہ "دنیا کے مزدورو ایک ہو جاؤ!" تاریخ تو یہی بتاتی ہے کہ یہ نعرہ مارکسزم کا، سائنٹفک سوشلزم کا، یا کمیونزم —— ایک ہی فلسفہ حیات کے تین نام —— کا نعرہ ہے۔ لیکن ہمارے یہ مہربان "اسلامی سوشلزم" کو جنم دینے کی خواہش میں شاید یہ کہنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے کہ یہ نعرہ مارکس کی نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بیسویں صدی عیسوی کی تیسری چوتھائی کا نذرانۂ عقیدت ہے! شاید وہ یہ بات کہہ دینے میں بھی کوئی تامل نہیں کریں گے کہ کسی وقت، جو کہا گیا تھا کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں وہ محض "رجعت پسندی" اور "جاگیردارانہ سازش" تھی۔

سادہ لوحوں کے سامنے "اسلامی سوشلزم" کے جواز میں ایک اور دلیل جو ڈاکٹر سبزواری نے تو پیش نہیں کی لیکن جو اُن کے ہمنوا بڑے طمطراق سے بیان کرتے ہیں، یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ انفرادی ملکیت کے خلاف تھے۔ ساتھ ہی یہ لوگ، اتنا کیوں نہیں بتاتے کہ حضرت معاویہؓ نے حکومت اپنے بیٹے کو منتقل کر دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ دو مثالیں قرنِ اوّل میں دو مختلف مسئلوں پر منفرد ہیں اور ان کی وجہ سے نہ تو انفرادی ملکیت کو اجماعِ امت نے ناجائز ٹھہرایا اور نہ ہی حکومت کی وراثتی منتقلی کوئی مستحسن نمونہ ٹھہری۔ دونوں انتہائی رجحانات کی واحد استثنائی مثالیں ہیں۔ جو دورِ صحابہؓ میں ملتی ہیں۔ اور دونوں اپنے مخالف کلیات کو ثابت کرتی ہیں، کیونکہ دونوں اسلام کے مجموعی

لہ نگہِ مادیت، بلکہ دین تہذیب اور اخلاق و کردار سے عاری تمدن کو ایک منظم فلسفہ کی حیثیت بہرحال دے چکا ہے۔ (سمیع الحق)

مزاج و نظام سے مطابقت نہیں رکھتیں ۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمتیں ہوں، وہ دونوں جلیل القدر صحابہؓ تھے، لیکن ان معاملات میں انہوں نے جو رائے قائم کی وہ ان کا انفرادی اجتہاد تھا اور بس ۔ ان میں سے کسی کو بھی سند اور اتھارٹی کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا ۔

مشکل یہ ہے کہ ملت کا بڑا حصہ ان پڑھ ہے اور جتنا حصہ تعلیم یافتہ ہے بھی اس کی ایک نہایت ہی قلیل تعداد دینی اور مغربی علوم دونوں سے واقف ہے ۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایسے حوصلہ مندوں کی کمی نہیں جو کھوکھلے مگر خوشنما نعروں کو ذریعہ لوگوں کو اپنے پیچھے کھینچ لانے کا داعیہ رکھتے ہیں ۔ ضرورت ہے کہ لوگ بالخصوص نوجوان جن کے جوش و ولولہ، فہم و شعور، عزم و استقامت کے ساتھ ہمارے مستقبل کی تعمیر و ترقی اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی ساری امیدیں وابستہ ہیں، یہ پہچان پیدا کریں کہ کس تبدیلی میں ہمہ پہلو نجات ہے، کونسا نظام ہے جو زندگی کے بیکراں امکانات کو ہم آہنگی سے بروئے کار لاکر انسان کی خودی کی تکمیل کر سکتا ہے، کسی مرکزِ فکر و عمل میں عدل و انصاف کی ساری توانائیاں اور ہمہ گیر توازن و توسط کی تمام خوبیاں جلوہ گر ہیں جس کی جھولی خالی ہو وہ اگر بھیک مانگے تو ایک حد تک قابلِ معافی ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ شخص کاسۂ گدائی لے کر اٹھ کھڑا ہو جس کے اپنے دامن میں کائنات کے سارے خزانے بھر دیئے گئے ہوں تو اس سے بڑھ کر انسانیت کی بدبختی کیا ہو گی ۔؟ اس سے بڑی بھول اور کیا ہو سکتی ہے کہ جسے دنیا بھر کو دینے کے لئے عدل کی پوری پونجی دے دی گئی ہو وہ خود ان سے لینے کے لئے تڑپتا پھرے جن کے ہاتھوں میں ظلم و فساد کے سوا کچھ بھی نہیں ۔؟

اب ایک طائرانہ نگاہ ان نمایاں خصوصیات پر ڈال لیجئے جن کی بدولت اسلام کا نظامِ زندگی اور قرآن فلسفۂ حیات دوسرے تمام نظاموں سے اس طرح ممتاز ہے، جس طرح مٹی کے چراغوں سے سورج ۔

۱۔ انسان کا مقصدِ حیات خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے ۔ زندگی کی ساری سرگرمیاں اسی مقصد کے تحت اور اسی مقصد کی خاطر اپنا مخصوص مقام و رنگ رکھتی ہیں ۔ فرد، خاندان، معاشرے اور پوری نوعِ انسانی کے آپس کے تعلقات اور حقوق و فرائض اسی ایک مقصد کے سانچے میں ڈھلتے ہیں ۔

۲۔ سارے انسان اولادِ آدم کی حیثیت سے برابر ہیں ۔ رنگ، نسل، زبان، علاقہ، وطن اور دولت کا فرق و اختلاف آپس کے شرف اور تعصب کی بنیاد ہرگز نہیں ہیں ۔ شرافت

اور بزرگی کا اصل معیار پرہیزگاری اور تقویٰ ہے جو اسلام سکھاتا ہے۔

۳۔ اسلام خدا اور بندے میں براہ راست تعلق قائم کرتا ہے۔ ان معنوں میں کہ درمیان میں برہمنیت اور کلیسائی نظام کی سیڑھیاں نہیں ہیں۔ قیامت کے دن خدا کے حضور اصل جوابدہی ایک ایک انسان کی ہوگی اور مسلمان پر یہ ذمہ داری بھی اسکی انفرادی ذمہ داریوں کے تحت ہی عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلام کی برکتوں کو اجتماعی شکل میں بھی زمین پر پھیلادے۔

۴۔ عدل کا نفاذ و قیام ہر ممکن حالت میں ہوگا، حتیٰ کہ دشمنانِ اسلام تک سے بھی انفرادی و اجتماعی صلح و جنگ کی تمام حالتوں میں عدل ہوگا۔ قانون کی بالادستی ہوگی، اور عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل الگ رکھا جائے گا۔ خلافتِ راشدہ کی تاریخ تمام حالتوں میں عدل کے قیام کی بے نظیر مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

۵۔ فرد و اجتماع کے حقوق و ذمہ داریاں ہر میدان میں خدا کی بندگی، آخری رسولؐ کے اتباع اور آپس کی پرسوز اور فداکارانہ ہمدردی پر مبنی ہیں، مادی حرص کی خونیں مسابقت کے لئے یہاں کوئی گنجائش نہیں اور نہ یہاں سرمایہ داری اور سوشلزم جیسی نکبہ مغرب کی پیداواروں کی کھپت کا کوئی امکان ہے۔ دولت کی تقسیم نہ سرمایہ داری اور سوشلزم کی طرح مادی فلسفۂ حیات کے تحت ہے اور نہ یہاں ان دونوں میں سے کوئی ایک انتہا پیدا ہو سکتی ہے۔ جہاں سرمایہ داری آزادی فرد کے ذریعہ عدم مساوات پر منتج ہوتی ہے۔ اور سوشلزم بڑی حد تک مادی مساوات کے ساتھ ساتھ فرد کی تمام آزادی چھین لیتا ہے۔ اسلام بیک وقت فرد کی معقول آزادی اور معقول مساوات کا اہتمام کرتا ہے۔ سرمایہ داری میں ارتکازِ دولت کے مواقع ہیں، اسلام میں نہیں۔ ادھر سوشلزم کی جبری مساوات میں افراد کے باہمی تعاون کا سرے سے کوئی موقع ہی نہیں۔ کیونکہ آمریت سب لوگوں کو ایک ہی ڈنڈے سے جانوروں کی طرح خود ہانکتی ہے، اور افراد کے رضاکارانہ تعاون کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتی۔

۶۔ اسلامی مملکت ہی صحیح معنوں میں رفاہی مملکت ہوتی ہے۔ فرد کی باعزت اسلامی زندگی بسر کرنے کے قابل بنانا سٹیٹ کے اولین فرائض میں داخل ہے، چنانچہ اسلامی مملکت میں بنیادی ضروریات زندگی، مثلاً روٹی، کپڑا، مکان، علاج اور تعلیم کی کفالت لازماً سٹیٹ کے ذمہ ہے۔ اور اگر افراد کسی وجہ سے خود ان کی دستیابی میں ناکام ہوں تو مملکت کا فرض ہے کہ اس بات کا پورا اہتمام کرے کہ کوئی فرد ان بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے۔ انفرادی اور اجتماعی ملکیت

دونوں کا وجود بیک وقت ملتا ہے۔ اور دونوں کے حدود اور دائرہ ہائے کار متعین ہونے کے باوجود کسی حد تک لچکدار ہیں۔ عام حالات میں انفرادی ملکیت کو عمومی اور اجتماعی ملکیت کو استثنائی پوزیشن حاصل رہتی ہے۔ بہرحال، کسب وحرف کی اُن تمام قانونی اور اخلاقی پابندیوں کے باوجود جو قرآن اور سنت کی طرف سے عائد ہوتی ہیں، اگر کہیں ارتکازِ دولت کی خرابی سر اٹھائے یا بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محرومین کا گروہ پیدا ہونے لگے تو تمام مسنون شرائط کے تحت اجتہاد کے ذریعہ مناسب حل نکالا جا سکتا ہے۔

۷۔ اسلامی نظام کی عملی تشریح دورِ رسالت اور پھر خلافتِ راشدہ کے تیس سالوں میں مثال و نمونہ کے طور پر ملتی ہے۔ نئی ضروریات کا حل اگر قرآن وسنت میں براہِ راست نہ ملتا ہو تو اس دور تک کی مسلّمہ فقہ کے علاوہ مشہور علمائے حق کے اجتہاد و اجماع سے استفادہ ہوگا۔

پس قرآن سے "اسلامی سوشلزم" ڈھونڈھ نکالنے کی امنگ اور اسلام کو سوشلزم سے "ہم آہنگ" کر دینے کی آرزو ایک ناروا جسارت ہے۔ عملاً اسکی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اسلام بذاتِ خود ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ فکر و ایمان کے لحاظ سے ایسا اس لئے نہیں ہو سکتا کہ یہ طرزِ فکر ایک مکروہ کاسہ لیسی ہے اور اسلام کے خلاف عدم اعتماد کے ووٹ کا درجہ رکھتی ہے۔

موت العالم

علمی و دینی حلقوں میں یہ اطلاع نہایت رنج سے سنی جائے گی کہ اوکاڑہ کے ممتاز اور معروف عالمِ دین مولانا ضیاء الدین صاحب فاضل دیوبند تلمیذ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا حال ہی میں انتقال ہوا۔ مرحوم مدت سے اوکاڑہ کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ قرآنِ پاک کا درس محبوب مشغلہ تھا۔ لڑکیوں کی اصلاح و تعلیم کے لئے ایک مدرسہ بیت صالحات اور عام مسلمانوں کیلئے ایک عیدگاہ تعمیر کرائی۔ الحق کے تمام قارئین سے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

غمزدہ محمد صدیق، سلیمان، حافظ حبیب الرحمٰن

حبیب کاٹن فیکٹری۔ اوکاڑہ